ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۳۰ر ۱، جنوری۔ جون ۲۰۱۵ء

قرآن مجید کی عائلی تعلیمات

محمد رضی الاسلام ندوی

اسلام کے جن پہلوؤں پر سب سے زیادہ اعتراضات کیے گئے ہیں ان میں سے ایک اس کا نظامِ خاندان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمان عورت کے لیے خاندان ایک قید خانہ کے مثل ہے، وہ شوہر کی محکوم اور اس کے زیر نگیں ہوتی ہے، اس کے اوپر بے شمار ذمہ داریاں لادی جاتی ہیں، لیکن وہ اپنے تمام حقوق سے محروم رہتی ہے، اسے اتنا بھی اختیار نہیں ہوتا کہ اپنے گھر سے باہر نکل سکے اور دوسروں سے سماجی رابطے استوار رکھ سکے۔ پردہ کے نام سے اس کی آزادانہ نقل وحرکت پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔ ملازمت اور معاشی جدو جہد سے منع کر کے اسے کلی طور پر شوہر کا دست نگر بنا دیا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں مرد کو یہ آزادی حاصل ہے کہ چار عورتوں کو وہ بیک وقت اپنی زوجیت میں رکھے اور جب چاہے ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اپنے سے الگ کردے۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔

یہ تمام باتیں خاندان کے بارے میں اسلام کی حقیقی تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔ بسا اوقات مسلمانوں کی بے عملی، ان کی طرف سے عورتوں پر مظالم اور ان کے حقوق کی پامالی سے بھی یہ غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں خاندان کے بارے میں اسلام کی حقیقی تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے، انھیں بتایا جائے کہ مسلمان عورت، اپنے خاندان میں بیٹی، بہن، بیوی اور

ماں کی حیثیتوں میں شفقت، محبت اور عزت و احترام سے بہرہ ور ہوتی ہے، اسے تمام بنیادی انسانی حقوق حاصل رہتے ہیں، وہ شوہر کی محکوم اور دست نگر نہیں، بلکہ اس کی رفیق، معاون اور ہم دم و دم ساز ہوتی ہے۔ ساتھ ہی اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہمارا کردار ہماری زبان کی گواہی دے رہا ہو۔ ہم واقعی اپنی عملی زندگی میں عورتوں کو وہ حقوق دے رہے ہوں جن کے ہم دعوے دار ہیں۔

آئندہ سطور میں کوشش کی جائے گی کہ خاندان کے بارے میں اسلام کی اہم تعلیمات اختصار کے ساتھ بیان کر دی جائیں، تا کہ مسلمان عورت کی حیثیت اور مقام و مرتبہ کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیاں دور ہوں اور اس آئینہ میں ہم بھی اپنی تصویر دیکھ سکیں۔

محکم بنیادوں پر خاندان کی تشکیل

اجتماعی زندگی میں خاندان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی تشکیل مرد و عورت کے صنفی تعلق سے ہوتی ہے۔ دنیا کے معاشرے اس معاملہ میں افراط و تفریط کا شکار رہے ہیں۔ کچھ لوگ صنفی تعلق کو اللہ کی یاد میں حارج قرار دے کر اس سے بالکلیۃ کنارہ کش ہو گئے اور انھوں نے رہبانیت اختیار کر کے گیان دھیان کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیا، جب کہ کچھ دوسرے لوگوں نے جنسی تسکین کے لیے مکمل آزادی کی روش اپنائی اور کسی پابندی کو قبول نہیں کیا۔ یہ دونوں منحرف رویے انسانیت کو تباہی و بربادی کی راہ پر ڈالنے والے تھے اور ہم جانتے ہیں کہ دنیا نے ان کے کڑوے کسیلے پھلوں کا مزہ چکھا اور ان کی تلخیوں کو جھیلا ہے۔ اسلام کی تعلیمات ان دونوں کے درمیان شاہ راہِ اعتدال کو نمایاں کرتی ہیں۔ وہ رہبانیت کا قائل ہے نہ اباحیت اور آوارگی کی کھلی چھوٹ دیتا ہے۔ اس نے صنفی تعلق کو قانونی بنیاد فراہم کی ہے اور اسے نکاح کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ وہ مردوں اور عورتوں دونوں کو پابند کرتا ہے کہ نکاح سے ماورا کسی طرح کا صنفی تعلق نہ علانیہ قائم کریں نہ چوری چھپے:

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلاَ مُتَّخِذِىْ أَخْدَانٍ (المائدۃ ۵/)	اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو، یہ نہیں کہ علانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بدکاری کرو'
مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحَاتٍ وَلاَ مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ (النساء ۴/ ۲۵)	وہ پاک دامن ہوں، نہ کہ علانیہ بدکاریاں کرنے والیاں، نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں

'حصن' عربی زبان میں قلعہ کو کہتے ہیں۔ یہ بلیغ تعبیر اختیار کر کے قرآن اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے کہ نکاح کے ذریعہ مرد اور عورت دونوں شیطان کے حملوں سے خود کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے نکاح پر زور دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج [1]

(اے نوجوانو! تم میں سے جو بھی شادی کی استطاعت رکھتا ہو اسے شادی کر لینی چاہیے)۔

نکاح کا ایک مقصد اسلام یہ قرار دیتا ہے کہ اس کے ذریعہ زوجین کو ایک دوسرے سے سکون اور طمانیت حاصل ہوتی ہے اور فطری طور پر ان کے درمیان محبت و مودت اور رحم دلی و ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اپنی ایک نشانی قرار دیتا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوْآ اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم ۳۰/ ۲۱)	اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں، تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لم نر للمتحابین مثل النکاح [2]

(دو افراد کے درمیان محبت پیدا کرنے کا ذریعہ نکاح سے بڑھ کر ہم

ے نہیں دیکھا)۔

نکاح کا دوسرا مقصد اسلام کی نظر میں یہ ہے کہ اس سے نسل انسانی کا سلسلہ جاری رہے اور جو اولاد ہو وہ ماں باپ کے زیر سایہ، ان کی شفقت ومحبت سے بہرہ ور رہتے ہوئے پروان چڑھے۔

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُم (البقرة ۲/۱۸۷)
ازدواجی تعلق کے ذریعہ] اللہ نے جو اولاد تمھارے حصے میں رکھ دی ہیں، وہ طلب کرو

وَقَدِّمُوا لأَنفُسِكُمْ (البقرة ۲۲۳)
اور اپنے مستقبل کی فکر کرو

کاموں کی تقسیم

اسلام نے خاندان کے دائرہ میں مردوں اور عورتوں کو مساوی حقوق عطا کیے ہیں اور ان کے لیے مساوی اجر کا وعدہ کیا ہے، لیکن مساوات کا مطلب کاموں کی یکسانیت نہیں ہے۔ اسلام نے دونوں کے دائرۂ کار الگ الگ رکھے ہیں اور اس میں ان کی فطری صلاحیتوں کی بھرپور رعایت رکھی ہے۔ ان کے معاملات اور حقوق میں بہ ظاہر جو فرق نظر آتا ہے وہ ان کے درمیان تفریق اور عدم مساوات پر مبنی نہیں ہے، بلکہ الگ الگ نوعیت کے کاموں کی وجہ سے ہے۔ فطرت نے بچوں کی پیدائش اور پرورش کا عظیم الشان کام عورت کے حوالے کیا ہے۔ وہ حیض ونفاس اور حمل ورضاعت کے مراحل سے گزرتی ہے۔ یہ کام اس کی مکمل یکسوئی اور توجہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے گھر کے اندر کے کام اس سے متعلق کیے ہیں اور باہر کے بہت سے کاموں سے اسے مستثنیٰ رکھا ہے۔ دوسری طرف گھر سے باہر کے کام مرد کو سونپے ہیں اور اسے عورت کو تحفظ فراہم کرنے اور اس کی کفالت کرنے کی ذمہ داری دی ہے۔ مرد اور عورت دونوں اپنے اپنے کاموں کے ذمہ دار ہیں اور دونوں سے ان کے مفوضہ کاموں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

الرجل راع علی أهل بيته وهو مسئول عن رعيته ، والمرأة فی بيت زوجها راعية وهی مسئولة عن رعيتها [۳]۔

(مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اور اپنی زیرنگرانی چیزوں اور افراد کے بارے میں پوچھی جائے گی)۔

کسی بھی ادارہ کا نظام خوش اسلوبی سے چلانے کے لیے کاموں کی تقسیم ضروری ہے۔ اگر یہ تقسیم نہ ہو تو اس کی سرگرمیاں ٹھپ پڑ جائیں گی اور وہ افراتفری اور انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ کوئی بھی کمپنی اسی وقت ترقی کر سکتی ہے، جب اس کے کچھ ملازمین پروڈکشن کا کام سنبھالیں اور اچھے سے اچھا مال تیار کریں اور کچھ دوسرے ملازمین مارکیٹنگ کا کام انجام دیں اور بازار میں اس کی کھپت کے لیے جدو جہد کریں۔ دونوں کام الگ الگ نوعیت کے ہیں۔ ایک کارخانے کے اندر کا کام ہے اور دوسرا کارخانے سے باہر کا۔ اگر کمپنی کے ہر ملازم سے دونوں کام متعلق کر دیے جائیں تو وہ ایک دن بھی صحیح طریقہ سے نہیں چل سکتی۔ اسلام نے خاندان کا نظام چلانے کے لیے کاموں کی تقسیم ضروری سمجھی ہے۔ اس نے عورت کو گھر کے اندر کے کام سونپے ہیں اور مرد کو گھر کے باہر کے کام۔

تحریکاتِ آزادیٔ نسواں کی غلطی

آزادیٔ نسواں کی تحریکوں نے مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات کا نعرہ بلند کیا۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ عورتوں کو بھی زندگی کے ہر شعبہ میں وہ تمام حقوق اور آزادیاں میسر ہوں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ غرض یہ کہ ان تحریکوں نے عورتوں کے ہر وہ کام کر سکنے کی وکالت کی جسے مرد انجام دیتے ہیں۔ یہ حقوق اور یہ بلند بانگ دعوے بہ ظاہر بہت بھلے اور خوب صورت معلوم ہوتے ہیں، لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ 'سراب' کے مانند ہیں۔ یہ حقوق نہیں، بلکہ قوانینِ فطرت سے بغاوت ہے، جس کی جیتی جاگتی تصویر ہمیں مغرب میں نظر آتی ہے۔ وہاں صورتِ حال یہ ہے کہ انسانی معاشرہ تمام تر

اخلاقیات، پاکیزگی، عفت و پاک دامنی اور امن وسکون سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔ حقیقت میں آزادیٔ نسواں مغرب کی طرف سے رچا جانے والا ایک خطرناک کھیل ہے، جس کا مقصد انسانی معاشروں میں عریانیت وفحاشی پھیلانا ہے۔ آج مغربی ممالک میں (اور کافی حد تک مشرقی ملکوں میں بھی) خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے، لوگوں کی زندگیاں اطمینان وسکون سے عاری ہو چکی ہیں، بدکاری، زنا، آبروریزی جیسے قبیح افعال میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ زوجین کے درمیان، پیار ومحبت، ہم دردی، اور انسیت جیسے جذبات ختم ہو چکے ہیں۔

مرد خاندان کا سربراہ ہے

کسی ادارہ کے نظم وضبط کے ساتھ سرگرمیاں انجام دینے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا ایک سربراہ ہو، جو اس کے تمام کاموں کی نگرانی کرے اور ادارہ سے وابستہ دیگر افراد اس کی ماتحتی میں اپنے اپنے کام انجام دیں اور اس کے احکام وہدایات کی پابندی کریں۔ اگر ایک سے زائد افراد کو یکساں اختیارات کے ساتھ کسی ادارہ کا سربراہ بنا دیا جائے اور ہر ایک آزادانہ اپنا حکم چلائے تو اس ادارہ کے نظام کا درہم برہم ہو جانا یقینی ہے۔ اسلام نے بعض مصالح کے تحت نظام خاندان کی سربراہی مرد کو تفویض کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (النساء۴/۳۴) مرد عورتوں کے سربراہ ہیں

لفظ 'قوام' کا ترجمہ عام طور پر 'حاکم' کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ اسلام میں مردوں کو حاکمانہ اختیارات دیے گئے ہیں اور عورتوں کو ان کا محکوم بنا دیا گیا ہے۔ حالاں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں نہ کسی کی حاکمیت کی بات کہی گئی ہے نہ کسی کی محکومیت کی۔ عربی زبان میں لفظ 'قام' کے ایک معنیٰ نگرانی اور دیکھ بھال کرنے کے آتے ہیں۔ قوّام اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی ادارہ یا نظام کو صحیح طریقہ سے چلانے اور اس کی نگہبانی کرنے کا ذمہ دار ہو۔ مردوں کے عورتوں پر 'قوام' ہونے کا

مطلب یہ ہے کہ وہ ان کی حفاظت اور نگرانی کرنے والے، ان کی کفالت کرنے والے اور ضروریات پوری کرنے والے ہیں۔ اس سے عورتوں کے حقوق کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ محض ایک انتظامی ضرورت سے مردوں کی ایک بڑی ذمہ داری کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی بات قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرة ۲/۲۲۸)	عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے

نظام خاندان میں شوہر اور بیوی کا تعلق حاکم اور محکوم کا نہیں ہوتا، بلکہ شوہر کی حیثیت نگرانِ اعلیٰ کی ہوتی ہے، جس کی ماتحتی میں بیوی اور بچے پوری آزادی سے اپنے کام انجام دیتے ہیں۔ شوہر انھیں تحفظ فراہم کرتا اور ان کی کفالت کرتا ہے۔ اس بنا پر ایک طرف عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی اطاعت کریں، ان کی ماتحتی میں اپنی سبکی محسوس نہ کریں، بلکہ ان کا کہنا مانیں اور سرتابی نہ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَالصّٰلِحَاتُ قٰنِتَاتٌ حٰفِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰه (النساء ۴/۳۴)	پس نیک عورتیں اطاعت شعار ہوتی ہیں اور (مردوں کے) پیچھے اللہ کی حفاظت میں (ان کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں

دوسری طرف مردوں کو تاکید کی گئی کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ وہ ان کی خادمائیں نہیں ہیں کہ ان کو اپنے سے کم تر سمجھیں اور ان پر ہر طرح کا ظلم و جور روا رکھیں، بلکہ ان کی زندگی کی رفیق ہیں۔ اس لیے محبت، ہم دردی اور شریفانہ برتاؤ کی مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوهُن بِالْمَعْرُوف (النساء ۴/۱۹)	اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خیارکم خیارکم لنسائهم ۴

(تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر ہوں)

گھریلو تشدد کی اجازت نہیں

آج گھریلو تشدد عالمی سطح پر ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ دنیا کے تمام ممالک میں عورتیں اپنے شوہروں اور دیگر قریب ترین رشتہ داروں کے ذریعہ ستائی جاتی ہیں۔ انھیں جسمانی طور پر بھی اذیتیں دی جاتی ہیں اور نفسیاتی اعتبار سے بھی ٹارچر کیا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے ذریعہ کرائے گئے ایک سروے کے مطابق پچاس فی صد سے زائد عورتیں اس کا شکار ہیں۔ ہمارے ملکِ عزیز ہندوستان کی صورت حال بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔ یہاں خواتین پر ظلم وتشدد کے واقعات روزانہ اخبارات کی زینت بنتے ہیں۔ گھریلو تشدد کی روک تھام کے لیے اقوام متحدہ کی کوششوں سے متعدد اقدامات کیے گئے ہیں اور ممبر ممالک کو ان کی روک تھام کے سلسلے میں قوانین بنانے کی تاکید کی گئی ہے۔ چند سال قبل ہمارے ملک میں بھی اس سلسلے کا ایک ایکٹ نافذ کیا گیا ہے، مگر اس کے باوجود گھریلو تشدد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

اسلام میں بیویوں پر ظلم وتشدد نہ کرنے کے صریح احکام دیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا:

لا تضربو اماء الله ۵

(اللہ کی باندیوں (یعنی اپنی عورتوں) کو نہ مارو)

ایک مرتبہ ایک صحابی نے آں حضرت ﷺ سے اپنی بیوی کی بدزبانی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے انھیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کی۔ پھر فرمایا:

ولا تضرب ظعینتک کضربک أمیّتک ۶

(اپنی گھر والی کو اس طرح نہ مارو جس طرح اپنی لونڈی کو مارتے ہو)

قرآن کریم کی ایک آیت (النساء:۳۴) میں عورتوں کو مارنے کا تذکرہ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جو عورتیں نافرمانی و سرکشی پر آمادہ ہوں انھیں سمجھاؤ بجھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور انھیں مارو۔ اس آیت کا حوالہ دے کر کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں پر تشدد روا رکھا ہے۔ یہ اس آیت کی غلط تعبیر (Interpretation) ہے۔ اولاً یہ حکم عام حالات سے متعلق اور عام عورتوں کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ان عورتوں سے ہے جو 'نشوز' کا ارتکاب کریں۔ نشوز عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنیٰ ہیں بلند ہونا۔ بیوی کے تعلق سے نشوز کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود کو شوہر سے بالاتر سمجھے، اس کا کہنا نہ مانے، شوہر کی ہدایت کی خلاف ورزی کرے اور اس سے نفرت کا اظہار کرے۔ ماہرین لغت اور مفسرین نے لفظ 'نشوز' کے ان معانی کی صراحت کی ہے۔

دنیا کے کسی ادارہ میں اس کے سربراہ کے خلاف اس کے کسی ملازم کی سرکشی اور بغاوت کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ کوئی ملازم اپنی ذمہ داری صحیح ڈھنگ سے نہ نبھائے، اپنے مفوضہ کام کو انجام نہ دے، ادارہ کا سربراہ اسے کوئی کام کرنے کو کہے یا کسی کام سے روکے تو اسے آنکھیں دکھائے اور بدزبانی پر اتر آئے تو اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں برخاستگی کا پروانہ تھما دیا جاتا ہے۔ یہی مظاہرہ اگر نظام خاندان میں کسی عورت کی طرف سے ہو تو وہ خود کو اس خاندان میں شامل رہنے کے حق سے محروم کر لیتی ہے، لیکن عورتوں کے معاملے میں اسلام کی نرمی کا مظہر یہ ہے کہ اس نے شوہروں کو تاکید کی کہ پہلے ہی مرحلے میں ایسی عورتوں کے خلاف انتہائی اقدام نہ کریں، بلکہ انھیں سمجھائیں بجھائیں، پھر بھی نہ مانیں تو ان سے نگاہِ التفات پھیر لیں، پھر بھی وہ اپنا رویہ نہ بدلیں تو انھیں بہت معمولی جسمانی سزا دیں۔ سزا کا مقصد بیوی کی تادیب ہے، نہ کہ اس پر ظلم ڈھانا اور تشدد کرنا۔ اس لیے حدیث میں اس کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ یہ سزا اتنی ہلکی ہو کہ اس کا جسم پر ہلکا سا بھی نشان ظاہر نہ ہو۔

بیویوں پر ظلم و تشدد اسلام کی نظر میں کتنا ناپسندیدہ ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے، جس میں ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اپنی بیویوں کی پٹائی کر دی۔ ان عورتوں نے خدمتِ نبوی میں اپنی شکایت پہنچائی۔ آپ کو

معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لیس أولئک بخیار کم ۔

(وہ لوگ (جو اپنی بیویوں سے برا برتاؤ کرتے ہیں) اچھے انسان نہیں ہیں)

عورت کا کسبِ معاش

عائلی زندگی میں عورت پر کمانے کا بوجھ نہیں ڈالا گیا ہے اور اہل خاندان کی مالی ضروریات پوری کرنے اور ان کے مصارف کا بار اٹھانے کی ذمہ داری مرد پر عائد کی گئی ہے۔ (النساء/۳۴) کہا جاتا ہے کہ اسلام کا یہ حکم عورتوں کو کلی طور پر مردوں کی دست نگر اور محتاج بنا دیتا ہے اور گھر بیٹھے رہنے سے ان کی صلاحتیں پژمردہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ عورتوں پر زیادتی اور ان کے حقوق کی حق تلفی نہیں، بلکہ ان کا اعزاز ہے۔ اسلام نے نظامِ خاندان میں کاموں کی جو تقسیم کی ہے اس کا تقاضا ہے کہ عورتیں بال بچوں کی پرورش، داخلی محاذ کی تقویت اور استحکام کے لیے یکسو اور فارغ رہیں۔ کسب معاش کی جدو جہد میں لگنے سے ان کی یک سوئی میں خلل آ سکتا تھا۔ اس لیے ان کو اس سے آزاد رکھا گیا اور خاندان کے جملہ مصارف پورا کرنے کی ذمہ داری مرد پر عائد کی گئی۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کی معاشی جدو جہد اسلام کی نظر میں ہر حال میں ناپسندیدہ ہے۔ بعض ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ اسے کسبِ معاش میں سرگرداں ہونا پڑے۔ مثلاً باپ کا انتقال ہو جائے اور بچوں کی کفالت کرنے والی صرف ماں ہو، باپ تنگ دست ہو اور جو کچھ کماتا ہو اس سے بچوں کے جملہ مصارف نہ پورے ہوتے ہوں، یا شوہر بیمار ہو کر کسبِ معاش سے عاجز ہو جائے، یا اس کی کمائی سے گھر کے مصارف جیسے تیسے پورے ہو جاتے ہوں، لیکن بیوی کے ہاتھ بٹانے سے گھر میں خوش حالی آ سکتی ہو، اس کے علاوہ اور بھی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ بہ ہر حال چند شرائط کے ساتھ شریعت میں عورت کو کسب معاش کی اجازت دی گئی ہے:

اول یہ کہ عورت کی معاشی جدو جہد کے لیے شوہر کی اجازت ضروری ہے۔ اس کی

مرضی کے بغیر یا اس کی مخالفت کے باوجود عورت کے لیے کسبِ معاش کی کوئی کوشش روا نہیں۔

دوم یہ کہ شریعت میں عورتوں کے لیے حجاب کے احکام دیے گئے ہیں اور اجنبی مردوں اور عورتوں کے درمیان خلوت سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لا یخلونّ رجل بامرء ۃ الا کان ثالثھما الشیطان [۸]

(کوئی اجنبی مرد اور عورت تنہائی میں ملتے ہیں تو ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے)

اس لیے عورت کوئی ایسا کام ہی کر سکتی ہے جس میں ان احکام شریعت کی رعایت ہو۔

بہ ہر حال عورت کے معاشی جدو جہد میں لگنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ نظامِ خاندان میں اس کی اصل ذمہ داریاں تو نہیں متاثر ہو رہی ہیں۔

تعدّدِ ازدواج

اسلام نے تعدّدِ ازدواج کی اجازت دی ہے، یعنی مرد بہ یک وقت ایک سے زائد بیویاں رکھ سکتا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ حد چار مقرر کی گئی ہے۔ (النساء/۳) اسلام کی اس تعلیم کو نشانہ بنایا جاتا ہے اور اس پر بے جا اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ اس پر کئی پہلوؤں سے غور کرنے کی ضرورت ہے:

اولاً: یہ اسلام کا حکم نہیں ہے کہ اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تمام لوگوں کے لیے ضروری ہے اور اس کے نتیجہ میں تمام مسلمان لازماً چار شادیاں کرتے ہیں، بلکہ یہ اجازت ہے کہ اگر کبھی ناگزیر صورتِ حال درپیش ہو تو ایک سے زیادہ (چار تک) نکاح کیے جا سکتے ہیں۔

ثانیاً: کبھی بھی غیر معمولی حالات پیش آ سکتے ہیں، مثلاً جنگیں پہلے بھی ہوتی تھیں اور اب بھی جاری ہیں۔ اگر کبھی کسی علاقہ میں بڑے پیمانے پر مرد ہلاک ہو جائیں اور عورتوں کا تناسب زندہ بچ جانے والے مردوں سے کہیں زیادہ ہو تو تعدّد ازدواج کے ذریعہ اس مسئلہ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو بدکاری اور اباحیت عام ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

ثالثاً: بسا اوقات انفرادی حالات بھی تعدّدِ ازدواج کا تقاضا کرتے ہیں۔ مثلاً

کسی شخص کی بیوی کسی شدید مرض میں مبتلا ہو، جس کی وجہ سے وہ وظیفۂ زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہو۔ اب یا تو آدمی اسے طلاق دے کر دوسرا نکاح کر لے یا اسے بھی بیوی کی حیثیت سے باقی رکھے، یا کسی شخص کی کوئی رشتہ دار عورت بیوہ ہو جائے اور اسے سہارے کی ضرورت ہو۔

رابعاً: قرآن نے تعدّدِ ازدواج کو عدل کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ اس نے جہاں چار عورتوں تک سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے وہیں ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء ۴/۳)	اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو

خامساً: یہ مفروضہ غلط ہے کہ مسلمانوں میں تعدّدِ ازدواج کا چلن بہت زیادہ ہے۔ ہندوستان میں ہر دس سال پر آبادی کے جو اعداد و شمار جمع کیے جاتے ہیں ان کے مطابق مسلمانوں میں تعدّدِ ازدواج کا تناسب ہندوؤں سے کم ہے۔

طلاق کا مسئلہ

اسلام پر اعتراضات کرنے والے مسئلہ طلاق کو بہت بھیانک بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ طلاق کے ذریعہ مرد کے ہاتھ میں عورت کو ستانے اور دھمکانے کا ایک ہتھیار تھما دیا گیا ہے۔ مسلمانوں میں اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت اور جہالت عام ہونے کی وجہ سے طلاق کا جس بے دردی سے استعمال کیا جاتا ہے اس سے بھی اسلام مخالفین کو شہ ملتی ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے بارے میں جو احکام بیان کیے گئے ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے تو بہت آسانی سے اس کی معقولیت سمجھ میں آجاتی ہے۔

قرآن نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ اگر وہ انھیں ناپسند ہوں تب بھی ان سے اعراض کا رویہ مناسب نہیں، اس لیے کہ اس کا عین امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ خیر ان سے وابستہ کر رکھا ہو۔ قرآن کہتا ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُوا	ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو

شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً (النساء۴/۱۹)	ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں پسند نہ ہو، مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو

قرآن مردوں کو تلقین کرتا ہے کہ اگر بیویوں کی جانب سے سرکشی کا مظاہرہ ہو تو بھی وہ فوراً انھیں اپنی زوجیت سے علیٰحدہ نہ کریں، بلکہ انھیں سمجھائیں بجھائیں، بستروں میں رہتے ہوئے ان سے لاتعلقی کا اظہار کریں، تاکہ انھیں نفسیاتی طور پر تنبیہ ہو، اس سے بھی وہ اگر سرکشی سے باز نہ آئیں تو انھیں بہ طور تادیب ہلکی ضرب لگائیں۔ (النساء/۳۴) اگر ان کے اختلافات بہت زیادہ بڑھ گئے ہوں اور زوجین اپنے طور پر انھیں حل کرنے پر قادر نہ ہوں تو دونوں کی طرف سے ایک ایک حکم مقرر ہوں اور وہ اختلافات کو دور کرنے اور موافقت پیدا کرنے کی کوشش کریں (النساء/۳۵) لیکن اگر طلاق کی نوبت آ ہی جائے تو مرد ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ عدت گزارنے کے بعد عورت آزاد ہو جائے گی۔ دورانِ عدّت بھی مرد کو واپس لینے کا اختیار ہوگا اور عدت گزارنے کے بعد بھی اگر وہ رجوع کرنا چاہیں تو نکاح کے ذریعہ پھر زوجین کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔ دوسری مرتبہ طلاق دینے پر بھی واپسی کا حق باقی رہتا ہے، لیکن اگر تیسری مرتبہ طلاق دے دی جائے تو عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے (النساء/۲۳۰)۔

اسلام نے طلاق کا حق مردوں کو دیا ہے۔ اس کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ اسلامی شریعت میں نکاح کے ہر مرحلے میں مرد کو خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مہر وہ ادا کرتا ہے، نکاح کے مصارف وہ برداشت کرتا ہے، ولیمہ وہ کرتا ہے، نان ونفقہ کی ذمہ داری وہ اٹھاتا ہے، اسی بنا پر طلاق کا حق بھی شریعت نے مرد کو دیا ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے عورت اپنے شوہر کے ساتھ زندگی نہ گزارنا چاہے تو خلع کے ذریعہ اسے بھی علیٰحدگی کا حق حاصل ہے۔

طلاق ایک ناگزیر سماجی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے دوسرے مذاہب میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے۔ حتی کہ جن مذاہب میں اس کی گنجائش نہیں تھی اب ان میں بھی اسے قانونی شکل دے دی گئی ہے۔

قتلِ جنین کی اجازت نہیں

نکاح کے نتیجے میں زوجین کو قدرت کی طرف سے اولاد کا تحفہ ملتا ہے۔ اسلام نے زوجین کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں اور اس معاملہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان کوئی تفریق روا نہ رکھیں۔ عہد نبوی ﷺ میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم جاری تھی۔ قرآن نے بہت سخت الفاظ میں قتلِ اولاد سے روکا اور اس کی مذمت کی:

وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا (بنی اسرائیل ۱۷/۳۱)	''اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی، درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے
وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ. بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ (التکویر ۸۱/۸-۹)	اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟

میدانِ طب میں جدید ترقیات کے نتیجے میں ایسی مشینیں ایجاد کر لی گئیں ہیں کہ رحمِ مادر میں جنین کی جنس کا پتہ لگا لیا جاتا ہے اور لڑکی ہو تو اس کا اسقاط کرا دیا جاتا ہے۔ اس بنا پر لڑکیوں کی تعداد لڑکوں کے مقابلہ میں برابر کم ہو رہی ہے۔ ہندوستان میں ہر دس سال پر مردم شماری کرائی جاتی ہے۔ اس کے مطابق ایک ہزار لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کی تعداد نوسو (۹۰۰) سے کچھ ہی زیادہ رہتی ہے۔ اس تفاوت نے ملک کے سنجیدہ طبقے کو بہت متفکر کر دیا ہے اور اس کے ازالے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں، لیکن کامیابی نہیں مل پا رہی ہے۔ قرآن کی اس تعلیم پر عمل کے نتیجہ میں مسلمان اس عملِ بد سے محفوظ ہیں۔ دوسرے طبقات بھی اس سے فائدہ اٹھائیں تو ملک سے اس برائی کا بہت آسانی سے خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

والدین خاندان کا اہم جز ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کی پرورش و پرداخت کرتے

ہیں، انھیں مکروہاتِ زمانہ سے بچاتے اور دنیا میں زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں اور جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو ان کے لیے رشتہ تلاش کرکے انھیں ازدواجی مسرتوں سے ہم کنار کرتے ہیں۔ لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے ان احسانات پر ان کا شکر گزار بننے کے بجائے انھیں بوجھ اور اپنی مسرتوں میں رکاوٹ سمجھنے لگتی ہے۔ اس کے نتیجے میں والدین اپنے گھر میں ہی اجنبی بن جاتے ہیں یا پھر یا تو وہ گھٹ گھٹ کر اپنی بقیہ زندگی گزارتے ہیں یا اولڈ ایج ہومس (Old Age Homes) میں جا کر پناہ لیتے ہیں۔ اولڈ ایج ہومس بیسویں صدی کی پیداوار ہیں۔ پوری دنیا میں ان کا چلن بہت تیزی سے ہوا ہے۔ ۲۰۰۵ء تک امریکا میں گیارہ ہزار اولڈ ایج ہومس قائم ہو چکے ہیں تھے، اگلے پانچ برسوں میں مزید ایک ہزار کا اضافہ ہوا۔ اسپین میں پانچ ہزار اولڈ ایج ہومس قائم ہو چکے ہیں۔ ہندوستان میں بھی یہ کلچر تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ ۱۹۵۰ء سے قبل پورے ملک میں صرف چھیانوے (۹۶) اولڈ ایج ہومس تھے، ۲۰۰۹ء میں ان کی تعداد تقریباً تیرہ ہزار ہوگئی۔

اسلام نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا جو تصور دیا ہے، وہ اولڈ ایج ہومس کے کلچر کے بالکل منافی ہے۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اولدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ذیل میں مثال کے طور پر دو آیات پیش کی جاتی ہیں:

وَقَضَی رَبُّکَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (بنی اسرائیل ۱۷/۲۳-۲۴)	تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمھارے پاس ان میں کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو

اور دعا کیا کرو کہ ’پروردگار! ان پر رحم
فرما، جس طرح انھوں نے رحمت و
شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا

قرآن والدین کے ساتھ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ چنانچہ متعدد مقامات پر حسن سلوک کے مستحقین میں والدین کے ساتھ رشتہ داروں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ سورۂ النساء میں ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى (النساء ۴/۳۶)	والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو

وراثت میں عورت کا حق

اسلام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس نے خاندان میں عورت کو مرد سے کم تر حیثیت دی ہے، چنانچہ وراثت میں بیوی کو شوہر کے مقابلہ میں، بہن کو بھائی کے مقابلہ میں اور بیٹی کو بیٹے کے مقابلہ میں نصف حصہ ملتا ہے۔ اس طرح یہ تأثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ تفریق جنس کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ حالاں کہ اگر نظام خاندان میں ہر ایک کے فرائض اور ذمہ داریوں پر بھی نظر ہو تو اس تفاوت کی معقولیت بہ خوبی سمجھی جا سکتی ہے۔

عہد جاہلیت میں عورتیں وراثت سے بالکلیۃ محروم تھیں۔ اسلام نے ان کا حصہ مقرر کیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً (النساء ۴/۷)	مردوں کے لیے اس مال میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت، اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے

اسلام نے جن لوگوں کو میراث کا مستحق قرار دیا ہے ان میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اولین تقسیم اصحاب الفرائض کی ہے، جن کے حصے مقرر ہیں۔ان میں چار (باپ، دادا، اخیافی بھائی، شوہر) مرد ہیں تو آٹھ عورتیں (ماں، دادی، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن، بیوی) ہیں۔

بعض حالتوں میں میراث میں مرد اور عورت کے حصوں میں جو تفاوت رکھا گیا ہے وہ جنس کی بنیاد پر نہیں، بلکہ کفالت کی بنیاد پر ہے۔اسلام کے نظامِ خاندان میں کفالت کا بار مرد پر ڈالا گیا ہے اور عورت کو اس سے بالکل آزاد رکھا گیا ہے۔مثال کے طور پر بیٹے کو بیٹی کے مقابلہ میں دوگنا ملتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹا اپنے بیوی بچوں کی کفالت کرتا ہے، جب کہ بیٹی کی پوری میراث محفوظ رہتی ہے۔

مختصر یہ کہ اسلام نے خاندان کے بارے میں جو تعلیمات دی ہیں اور افرادِ خاندان کے جو حقوق اور فرائض بیان کیے ہیں اگر ان پر صحیح طریقہ سے عمل کیا جائے تو صالح خطوط پر خاندان پروان چڑھے گا، خوشی و مسرت کے شادیانے بجیں گے اور مثالی و پاکیزہ سماج وجود میں آئے گا۔

حواشی و مراجع

۱ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی ﷺ من استطاع منکم البائۃ فلیتزوج

۲ سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب ما جاء فی فضل النکاح

۳ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب تاویل قول اللہ تعالیٰ "من بعد وصیّۃ توصون بھا او دین"

۴ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرۃ النساء؛ جامع ترمذی، ابواب الرضاع، باب ما جاء فی حق المراءۃ علیٰ زوجھا

۵ سنن ابو داءود، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء

۶ سنن ابوداءود، کتاب الطھارۃ، باب فی الاستنثار

۷ سنن ابو داءود، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء

۸ جامع ترمذی، ابواب الرضاع، باب ما جاء فی کراھیۃ الدخول علی المغیبات